تنزیل و تاویل

تفسیر سورۂ کوثر

مصنفہ استاذ امام مولنا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ترجمہ جناب مولنا امین احسن صاحب اصلاحی

(۳)

نماز اور قربانی میں باہمی مناسبت | ۱۰۔ نماز اور قربانی میں بہت سے پہلو ہیں قرآن نے ان سب کی طرف اشارے کیے ہیں لیکن یہاں ان سب کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کتاب المفردات میں پوری تفصیل ملے گی۔ اس جگہ ہم ان دونوں کے صرف ان پہلوؤں کا تذکرہ کریں گے جن سے ان کی باہمی مناسبت واضح ہو۔

ہر چند قرآن نے ان کو تصریح کے ساتھ نہیں بیان کیا ہے، لیکن جو شخص قرآن کی آیات اور ان کے کلمات کے باہمی نظم پر غور کرے گا وہ کسی طرح ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ غور کے لیے اصلی چیز قرآن کے حسن نظم کا یقین ہے۔ اور تعجب ہے کہ جس قرآن میں یہ آیت بھی موجود ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔ (محمد ۲۴)۔ کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر تالے چڑھے ہیں۔

اس پر غور و فکر کرنے سے کوئی شخص کیونکر بے پروا ہو سکتا ہے۔

اس تمہید سے مقصود یہ ہے کہ یہاں صرف یہ بات کہ خدا نے نماز اور قربانی کا ایک ساتھ ذکر

کیا ہے، ہم کو دعوت دیتی ہے کہ ہم ان دونوں کی باہمی مناسبت پر غور کریں۔ اسی اشارے نے ہمارے سامنے بے شمار حقایق حکمت کی راہ کھول دی ہم اس فصل میں ان کو بیان کرتے ہیں تاکہ ایک طرف آیت کا حسن نظم واضح ہو، اور دوسری طرف ان حقائق کی روشنی میں ہم یہ دیکھ سکیں کہ قرآن کی جو سورتیں اپنے الفاظ کے اعتبار سے ایک قطرہ کی حثیت رکھتی ہیں، اپنے معانی کے اعتبار سے بحر بے کراں ہیں۔ ذیل میں ان دونوں کی باہمی مناسبت کے تمام پہلوؤں کی تفصیل کی جاتی ہے۔

۱۔ نماز اور قربانی میں اسی طرح کی مناسبت ہے، جس طرح کی مناسبت ایمان اور اسلام میں ہے، یہ اجمال ہے؛ اس کی تفصیل سے پہلے ایک مختصر تمہید سن لینی چاہیے :۔

دین کی بنیاد علم و عمل کی صحت پر ہے۔ علم یہ ہے کہ ہم اپنے رب کو پہچانیں، اس کے ساتھ اپنے تعلق کو جانیں، اور پھر اس معرفت سے کبھی غافل نہ ہوں۔ اس علم سے لازماً محبت اور شکر کی ایک قلبی کیفیت وحالت پیدا ہوتی ہے، اسی قلبی کیفیت سے اعمال کا فیضان ہوتا ہے۔ اس طرح گویا علم و عمل میں وہی تعلق ہے جو اثر اور موثر، ظاہر اور باطن میں ہوتا ہے یعنی علم باب ایمان سے ہے، اور عمل باب اسلام سے !

پھر ایک دوسری حقیقت پر غور کرو! عمل جس طرح علم کا مقابل ہے، اسی طرح قول کا مقابل ہے یعنی قول، علم و عمل کے بیچ کی کڑی ہے۔ قول ارادہ کا اولین ظہور اور عمل کا عنوان و دیباچہ ہے۔ اس تمہید کی روشنی میں، نماز اور قربانی کے باہمی تعلق پر غور کرو۔

نماز ظاہر ہے کہ قول و اقرار ہے، یہ اٹھنا، بیٹھنا، جھکنا، سجدہ کرنا، ہاتھ اٹھانا انگلی سے اشارہ کرنا کیا ہے؟ یہ سب اداؤں کی زبان سے ہمارا قول و اقرار ہے۔ یہ ایمان کے بعد، راہ اطاعت میں ہمارا پہلا قدم ہے۔ یہ اعمال کے دروازہ کی کلید ہے، اسی لیے یہ تمام شریعت کے دروازہ کا عنوان قرار دیگئی ہے۔ بکثرت آیات میں اس حقیقت کی طرف اشارات کیے گئے ہیں۔ مثلاً

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ جو غیب میں ایمان لاتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں۔

تفسیر سورۂ فاتحہ میں اس پر مفصل بحث گذر چکی ہے۔

حضرت ابراہیم کے قصہ میں اس حقیقت کی پوری تشریح ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو، اس کی صفت توحید کے ساتھ، پہچان لینے کے بعد فرمایا:۔

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (انعام ۹) میں نے ہر طرف سے کٹ کر اپنا رخ اس ذات کی طرف کرلیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

نماز اسی توجہ الی اللہ کی عملی تصویر ہے۔ اسی وجہ سے ہماری نمازوں کا عنوان یہی مبارک کلمہ قرار پایا۔ یہی حقیقت حضرت موسیٰ کے قصہ میں بھی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو توحید کی معرفت بخشنے کے بعد فرمایا:۔

فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔ (طٰہٰ۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴) پس جب وہ اس کے پاس آیا، ندا آئی، اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں پس اپنے جوتے اتار دو تم وادی مقدس طویٰ میں ہو، اور میں نے تم کو برگزیدہ کیا ہے پس جو کچھ وحی کی جائے، اس پر کان دھرو۔ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو اور میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو۔

ایک دوسرے مقام پر ابطال شرک کے بعد فرمایا:۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا، فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ اپنا رخ یکسو ہو کر اطاعت الٰہی کی طرف سیدھا کرو یہی اللہ کی فطرت ہے، جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا،

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ	اس میں فطرت الٰہی کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہے یہی
مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ	فطرت کا سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے
وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ - (روم ۳۰-۳۱)	اس کی طرف متوجہ ہو کر، اور اسی سے ڈرو اور نماز قائم کرو، مشرکین میں سے نہ بنو۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز تمام مخلوقات الٰہی کی فطرت ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ	ساتوں آسمان اور زمین، اور جو ان میں ہیں اس
فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ -	کی تسبیح پڑھتے ہیں۔ اور ہر شے اس کے حمد کی تسبیح
(بنی اسرائیل ۴۴)	پڑھتی ہے۔

دوسری جگہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ	نہیں دیکھتے کہ جو آسمان و زمین میں ہیں، سب اللہ کی
وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ	تسبیح پڑھتے ہیں۔ اور چڑیاں قطار در قطار، ہر ایک
صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ - (نور ۴۱)	نے اپنی نماز اور تسبیح جان لی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تمام اعمال میں سے، نماز ایمان سے سب سے زیادہ اقرب، بلکہ ایمان کا اولین فیضان ہے۔ یہ بیک وقت توحید، انابت، شکر، توکل اور تبتل الی اللہ کا شیرازہ اور تمام مخلوقات الٰہی کی فطرت ہے۔

اب قربانی کی حقیقت پر غور کرو! قربانی حقیقت اسلام کی جامع ہے۔ اسلام کا مفہوم، اطاعت سرفگندگی، اور نفس کو بالکلیۃ مولیٰ کے حوالہ کر دینا ہے۔ نماز کی طرح یہ بھی بندوں کی فطرت ہے، کیونکہ تمام مخلوق امر الٰہی کی اطاعت سے وجود میں آئی ہے۔ خدا نے کلمہ "کن" کے ذریعہ حکم دیا اور تمام مخلوق بدء خلقت میں اس کلمہ کی اطاعت سے وجود میں آئی۔ اب اگر وہ خدا کی نافرمانی کرے، تو اپنی فطرت

کی خلاف ورزی کرے گی۔ اس اعتبار سے اسلام تمام کائنات کو محیط ہے۔

وَلَهٗۤ اَسۡلَمَ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّكَرۡهًا وَّاِلَيۡهِ يُرۡجَعُوۡنَ ۔ (آل عمران ۸۳) آسمان اور زمین میں جو ہیں، سب طوعاً و کرھاً اسی کے سامنے سرفگندہ ہیں اور اسی کے پاس سب لوٹائے جائیں گے

یعنی بدءِ خلقت میں تم نے اس کے امر کی تعمیل کی، اسی طرح آخرت میں تم اس کے حکم پر دوڑو گے۔

چنانچہ فرمایا ہے۔

اِذَا دَعَاكُمۡ دَعۡوَةً مِّنَ الۡاَرۡضِ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ (روم ۲۵) جب وہ تم کو زمین سے نکلنے کے لیے ایک بار پکارے گا۔ دفعۃً تم نکل کھڑے ہوگے۔

دوسری جگہ فرمایا:۔

فَتَسۡتَجِيۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ وَتَظُنُّوۡنَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا ۔ (بنی اسرائیل ۵۲) اور تم اس کی حمد کے ساتھ اس کی پکار پر دوڑو گے اور گمان کرو گے کہ نہیں تم ٹھیرے مگر بہت کم۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اور تسبیح وسجدہ اور نماز دونوں عین فطرت اور باہمدگر نہایت قریبی رشتہ دار ہیں۔

جب حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا امام، ان کی مسجد کو ہمارا قبلہ اور ان کے طریقہ کو ہمارے لیے دستور العمل بنایا تو ایک واقعہ بیان کرکے قربانی کی حقیقت بھی آشکارا کردی جس سے ضمناً نماز کے باطن پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ فرمایا۔

اِنِّىۡ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىۡ سَيَهۡدِيۡنِ ۔ . . . . میں اپنے پروردگار کی طرف جا رہا ہوں، وہ میری رہبری فرمائیگا۔ (یعنی میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرتا ہوں، وہ مجھ پر اپنی راہ کھولے گا)۔

رَبِّ هَبۡ لِىۡ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۔ اے پروردگار مجھے صالحین میں سے بخش۔ (یعنی اولاد

صالح، تاکہ میں ان کو لیکر تیری راہ پر چلوں، اور لوگوں کے لیے حق و ہدایت کی راہ باز ہو)۔

فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پس ہم نے اس کو ایک حلیم لڑکے کی ولادت کی بشارت دی (یعنی حضرت اسمٰعیلؑ کی۔ اسمٰعیل کے معنی ہیں "اللہ نے سُنا" چونکہ ان کی ولادت ابراہیم کی دعا کے مطابق ہوئی تھی، اس لیے ان کا نام اسمٰعیل رکھا گیا)۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۔ جب وہ اس عمر کو پہنچے کہ ان کے ساتھ دوڑ پھر سکیں انھوں نے کہا: بیٹے! میں نے خواب میں یوں دیکھا کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں (یعنی اللہ کے لیے) اب تم بتاؤ تمہاری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا رائے ہے؟ (یہ سوال اس لیے تھا کہ اس طاعت میں فرمان بردار بیٹا بھی شریک ہو جائے، کیونکہ حضرت ابراہیمؑ ہمیشہ کیلیے تسلیم و اطاعت آلہی کی ایک راہ کھول رہے تھے، اور چونکہ اطاعت شعار فرزند دعا ہائے سحر کی قبولیت تھا، اس لیے اس کا عاقل و حلیم ہونا یقین تھا اور کسی اختلاف کا خدشہ نہ تھا)۔

قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انھوں نے جواب دیا: والد ماجد! جو حکم ملا ہے اس کی تعمیل فرمائیے انشاء اللہ آپ مجھکو ثابت قدموں میں پائیں گے۔ (حضرت اسمٰعیل سمجھ گئے کہ ان کو حکم آلہی کی تعمیل میں ذبح کیا جا رہا ہے۔ اس لیے انھوں نے وہ جواب دیا جو متوکلین کے شایان شان تھا)۔

فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پس جب دونوں امر آلہی کے سامنے جھک گئے، اور ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل پچھاڑ دیا۔ (یعنی اس طرح دونوں نے اپنے کمال اطاعت و اسلام کو مشہود کر دیا، کیونکہ باپ نے اس چیز کو قربان کرنے کا عزم کر لیا، جو اس کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی، اور بیٹے کی کل کائنات صرف اس کی جان تھی)

وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ اور ہم نے اس کو پکارا، اسے ابراہیم! تم نے خواب کو

الرُّؤْيَاءَ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِيْنُ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سچ کر دکھایا بیشک ہم محسنین کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں، بلاشبہ کھلی ہوئی جانچ یہی ہے (اس اطاعت کا ماننے ان کو درجہ احسان کی سرفرازی بخشی، اور یہی کمال اسلام ہے، اس امتحان کے بعد ان دونوں کو خدا نے قوموں کا امام اور ہادیوں کا رہبر بنایا۔

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ۔ (صف ۹۹ تا ۱۰۷) اور ہم نے اس کو بڑی قربانی کے عوض چھڑالیا (یعنی اس قربانی کی یادگار رہیں، قربانی کی عالمگیر اور عظیم الشان سنت قائم کی، جو قربانی کرنے والوں کی مغفرت کا وسیلہ ہے)۔

اس واقعہ میں خدا نے ہمارے سامنے یہ حقیقت کھولی ہے کہ اسلام کی روح، اطاعت اور اپنی عزیز سے عزیز متاع حتیٰ کہ جان کو بھی خدا کے حوالہ کر دینا ہے، اور یہ بات بغیر کامل ایمان و اخلاص کے وجود میں نہیں آسکتی، پس گویا ان دونوں کا رتبہ کمال مقام احسان ہے۔ احسان کی حقیقت یہ ہے کہ "اُعْبُدْ رَبَّكَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ" اپنے رب کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قربانی اور نماز میں وہی تعلق ہے جو تعلق ایمان و اسلام میں یا قول و عمل میں ہے، اور احسان ان دونوں کا نقطہ اتصال ہے۔

۲۔ نماز اور قربانی میں وہ نسبت ہے، جو نسبت زندگی اور موت میں ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نماز کی حقیقت یاد الٰہی ہے۔

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔ (طٰہٰ ۱۴) اور میری یاد کیلئے نماز قائم کرو۔

دوسری جگہ ہے:۔

ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ (اعلیٰ ۱۵) اپنے رب کے نام کو یاد کیا، پس نماز پڑھی۔

قرآن مجید میں اس طرح کی آیتیں بہت ہیں، اور مقصود دوام ذکر الٰہی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔ (آل عمران ۱۹) جو اللہ کو یاد کرتے ہیں، کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے۔

نیز فرمایا:—

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا۔ (احزاب ۴۱ تا ۴۳)

اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو، اور صبح و شام اس کی تسبیح پڑھو۔ وہ اور اس کے ملائکہ تم پر رحمت بھیجتے ہیں تاکہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لیجائے، اور وہ مومنین کے ساتھ مہربان ہے۔

یعنی جس طرح تم اس کی یاد کرتے ہو، اور اس کی تسبیح پڑھتے ہو، اسی طرح وہ اور اس کے ملائکہ تم پر رحمت بھیجتے ہیں جس سے تمہاری روشنی بڑھتی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ۔ (بقرہ ۱۵۲)

پس مجھکو یاد کرو اور میں تمکو یاد کروں گا۔

نیز فرمایا:—

فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ۔ (حٰم سجدہ ۳۸)

جو لوگ تیرے رب کے پاس ہیں، وہ رات دن اس کی تسبیح پڑھتے ہیں۔ اور کسی وقت اس سے برداشتہ خاطر نہیں ہوتے۔

یہی راز ہے کہ ہمارے رات دن کے تمام اوقات نمازوں سے گھیر دیئے گئے ہیں۔ اور کسی حالت میں اس سے معافی نہیں دی گئی ہے۔ نماز سانس کی طرح زندگی کے لیے ناگزیر ہے۔ وہ حقیقی زندگی جو نور، سکینت اور ایمان کے الفاظ سے تعبیر کی گئی ہے، صرف اللہ کی یاد ہی سے باقی رہ سکتی ہے غور کرو تو عقلاً یہ بات بالکل واضح ہے کیونکہ بندوں کو عقل و تمیز کی صلاحیت بخشدینے کے بعد خدا کی نظر رافت ان کی طرف اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک وہ اپنی توجہ و انابت سے اس کو دعوت نہ دیں۔ اس کا دستور یہ ہے کہ جب بندہ شکر کرتا ہے اور پائی ہوئی نعمتوں کو کام میں لاتا ہے تو وہ نعمت کو زیادہ کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:—

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (محمد ۱۷)

جو طلب ہدایت میں سرگرم رہتے ہیں، ان کے نور ہدایت کو بڑھاتا ہے۔

توجہ الی اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے نام کی یاد کی جائے۔ خدا کے تقرب کی راہ یہی ہے۔ اللہ سے قربت کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اس کو یاد رکھا جائے اور اس سے دوری کا مطلب یہ ہے کہ اس کی یاد سے غفلت ہو جائے (اعاذنا اللّٰہ منہا) جب بندہ اللہ و یاد کرتا ہے اس سے قریب ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمایا

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ (علق-۱۹) سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ۔

اس وقت اللہ کی نظر رحمت اس کو نوازتی ہے، اور اس کا سینہ انوار قدس کا مہبط بن جاتا ہے روح ذکر و فکر کی گہرائیوں میں جس قدر اترتی جاتی ہے زندگی اور قوت کے لازوال خزانوں سے اسی قدر قریب ہوتی جاتی ہے۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں اسی حقیقت کی خبر دی گئی ہے۔

مایزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فاذا احببته کنت سمعه الذی به یسمع و بصره الذی به یبصر و یده التی بها یبطش۔

بندہ نوافل کی راہ سے برابر میری طرف بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں، اور جب میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔

یہ اسی روحانی زندگی کا بیان ہے، جو حقیقی اور واقعی زندگی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز حقیقی زندگی کا سرچشمہ اور اس حیات سفلی سے نجات حاصل کرنے کا زینہ ہے اب قربانی کی حقیقت پر غور کرو۔ اس کا اصلی مفہوم ـ جیسا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیلؑ کے واقعہ سے ظاہر ہے ـ نفس کو اللہ کے حوالہ کرنا ہے، یہ تسلیم و اطاعت کے ایک عظیم الشان واقعہ کی یادگار ہے اور اس میں زبردست امتحان کی سرگذشت پنہاں ہے جس میں خدا نے ابراہیم خلیلؑ کو آزمایا تھا۔ اہل ایمان راہ الٰہی میں اپنی جانیں قربان کرکے اسی اطاعت و عبدیت کی یادگاریں قائم کرتے ہیں پس جس طرح نماز اللہ کے ساتھ ہماری زندگی ہے، اسی طرح قربانی اس کی راہ میں ہماری موت ہے۔ اور یہی حقیقی

دین اور حقیقی اسلام ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ — کہدو میرے رب نے مجھکو صراط مستقیم کی ہدایت بخشی ہے

دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا كَانَ — اور فطری دین۔ دین ابراہیم کی جو صرف اللہ کا پرستار

مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ — تھا، کہدو میری نماز، میری قربانی میری زندگی

وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ — اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

(انعام ۔ ۱۶۱ - ۱۶۲)

باتفاق تمام مفسرین اس آیت میں "نسک" سے مراد حج اور عمرہ میں قربانی کرنا ہے۔ لغت عرب سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے یہاں "صلوٰۃ" اور "نسک" کو ایک ساتھ رکھا ہے، اور اس کے بعد علی الترتیب "محیا اور ممات" کے الفاظ ہیں، یہ نظم کلام توافق کے اصول پر ان دونوں کی حقیقت اور ان کے باہمی تعلق کو بے نقاب کرتا ہے، یعنی نماز مسلم کی زندگی ہے اور اس کی قربانی راہ الٰہی میں اس کی موت ہے۔ پھر غور کرو تو یہ دونوں بالکل ایک ہیں، کیونکہ یہ موت ہی حقیقی زندگی کا دروازہ ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ — جو اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں، ان کو مردہ کہو

اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۔ (بقرہ ۱۵۴) — بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم محسوس نہیں کرتے۔

۴۔ نماز اور قربانی "حقیقی قربانی" کے دو بازو ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو صاحب عقل و ارادہ اور خیر و شر میں تمیز کرنے والا بنایا، تو ایک طرف تو اس کو عظمت و رفعت کا وہ مقام بلند بخشدیا جس سے برتر اور بلند کوئی مقام نہ تھا، اور دوسری طرف ذلت و پستی کے اس کنارہ پر کھڑا کر دیا جس سے بڑھ کر کوئی ذلت و پستی نہ تھی۔ چنانچہ فرمایا ہے:۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ — بے شک ہم نے آدمی کی ساخت اچھی سے اچھی بنائی،

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ — پھر ہم نے اسے ادنی سے ادنی درجہ میں ڈالدیا، مگر جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۔ (تین ۔۴۔۵۔۶)۔

جو کہ ایمان لائے، اور بھلائیاں کیں، سو انھیں ہمیشہ کے لیے انعام ملے گا۔

نیز فرمایا:—

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (شمس ۔ ۷۔۸۔۹۔۱۰)

اور شاہد ہے نفس اور اس کا تسویہ، چنانچہ اس کو اسکی بدی اور نیکی الہام کی جس نے اس کو سنوارا، اس نے فلاح پائی، جس نے اس کو خاک میں ملایا، وہ نامراد ہوا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ جب اس منعم حقیقی سے بے پروا ہو جاتا ہے، جمال الٰہی کی روشنی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے، اور وہ باطل کے دام فریب میں پھنس کر اپنے تئیں ہوائے نفس کے حوالہ کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے:۔

اَفَمَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (جاثیہ ۲۳)

کیا وہ، جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا ہے، اور خدا نے اس کو علم دینے کے باوجود گمراہ کر دیا ہے۔

یعنی اس نے عقل، آنکھ، کان پا کر گمراہی کی راہ اختیار کر لی ہے، جیسا کہ سورۂ دہر میں ہے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۔ (دہر ۲۔۳)

ہم نے آدمی کو ایک بوند کے لچھے سے پیدا کیا، اس کو مختلف اطوار میں الٹتے پلٹتے رہے۔ پس اس کو سننے والا اور دیکھنے والا بنایا۔ بیشک ہم نے اس کو راہ سجھادی چاہے وہ شکرگذار بنے یا ناشکری کی راہ اختیار کرے۔ (یعنی اگر وہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کو کام میں نہ لائے گا ناشکری کی راہ اختیار کرے گا)۔

وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى قَلْبِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ

اور اس کے کان، آنکھ پر مہر کر دی ہے، اور اس کے دل پر پردہ ڈال دیا ہے۔

اللہ کے بعد اس کو کون ہدایت کی راہ دکھائے گا۔ کیا تم سوچتے نہیں؟ یعنی جب اس نے خدا سے منہ پھیر لیا، اپنے نفس کا غلام بن گیا تو خدا نے اس کو اس کی خواہشوں کے حوالہ کر دیا، جو اس کے قلب کے لیے حجاب بن گئی ہیں۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔ (مطففین ۱۴-۱۵)

ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی سیاہی جم گئی ہے۔ ہرگز نہیں! وہ اس دن اپنے پروردگار کے دیدار جمال سے محروم ہوں گے۔

یعنی جس طرح وہ اس حیات دنیاوی میں خدا کے نور ایمان سے محروم تھے، اسی طرح حیات اخروی میں اس کے دیدار جمال سے اوٹ میں ہوں گے۔ آدمی جو کچھ چاہتا ہے خدا کی طرف سے وہی پاتا ہے جنہوں نے نفس اور شہوات نفس کی غلامی پسند کی، وہ نفس کے غلام بن گئے، اور قیامت کے دن نفس کی حقیقت ہی سے دوچار ہوں گے۔ یعنی ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ؛ پھر وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔

اس حالت کی وجہ سے انسان کے لیے ضروری ہوا کہ نفس کے صنم اکبر کو توڑے، اور جنہوں نے نفس کی حقیقت پر غور کیا ہے، ان کو معلوم ہے کہ نفس کے دو بازو ہیں: سبعیت[۱] اور بہیمیت[۲]۔ اس لیے ضروری ہوا کہ انسان کو ان دونوں بازوؤں کے توڑنے کی تدبیر بتائی جائے۔ اب ان دونوں کی تفصیلات پر غور کرو!

۱۔ اول یعنی سبعیت کے توڑنے کی تدبیر یہ ہے کہ اللہ کے حضور خشوع و تذلل اور نماز کی پابندی ہو نفس کے کبر و نخوت کا سر صرف نماز سے کچلا جا سکتا ہے۔ کیونکہ خشوع نماز کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے:-

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ (مومنون ۱-۲)

بیشک ان ایمان والوں نے فلاح پائی، جو اپنی نماز میں خدا کے سامنے سرافگندہ ہیں۔

نیز فرمایا ہے:-

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ إِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ۔	اپنے رب کو دل میں یاد کرو، گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور پست آوازمیں صبح اور شام، اور بےخبروں میں سے مت بنو۔ جو لوگ تمہارے رب کے پاس ہیں وہ اس کی زندگی سے ابا نہیں کرتے۔ اور اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

(اعراف ۲۰۵-۲۰۶)

دوسرے مقام پر ہے:-

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۔ (فرقان ۶۳-۶۴)	اور خدائے رحمان کے بندے وہ ہیں، جو زمین پر خاکساری کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب جاہل ان کو مخاطب کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں تم پر اللہ کی سلامتی ہو، اور جو اپنی راتیں خدا کے حضور سجدہ و قیام میں بسر کرتے ہیں

اس آیت پر غور کرو۔ اس میں نماز سے پہلے ان کی خاکساری کا تذکرہ کیا ہے کیونکہ نماز کی حقیقت نفس کو نخوت سے پاک کرتا ہے، جو لوگ برابر ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، اور خدا کے جلال وجبروت اور اس کی نعمت و رحمت کی یاد تازہ رکھتے ہیں، ان کے چہروں سے تواضع او رمحبت کا جمال ٹپکتا ہے۔ اسی قسم کا نظم اس آیت میں ہے:-

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا۔ (فتح ۲۹)	محمد اللہ کا رسول۔ اور جو اس کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں، آپس میں نرم دل ہیں، تم ان کو دیکھو گے رکوع اور سجدہ میں۔

یہاں ابطال رہبانیت کی غرض سے پہلے 'شدت' کا ذکر کیا ہے، کیونکہ جو خدا سے محبت کرتا ہے اس کا دل اس مقام کی بے پایاں عظمتوں کے احساس سے اس قدر لبریز ہو جاتا ہے کہ اس میں دوسروں کی عظمت و بڑائی کے خیال کی سمائی نہیں رہ جاتی اس لیے وہ تمام مخالفتوں سے بخوف اور نڈر ہو کر علی الاعلان اس کی شہادت دیتا ہے پس اس جگہ 'شدت' کا ذکر محض ایک وہم کے ازالہ کے لیے ہے کیونکہ تذکرہ ایک ایسی امت کا ہو رہا تھا جو اعتدال کے نقطۂ کمال پر ہے۔ آیت میں مسلمانوں کی وہ صفات بیان ہوئی ہیں، جو توراۃ و انجیل میں مذکور ہیں، اور جو اس کو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امتوں سے متمیز کرتی ہیں ضمناً اس میں کمال عدل و اعتدال اور جمع بین الضدین کی اس فضیلت کی طرف بھی اشارہ ہو گیا۔ جو امت مرحومہ کی خصوصیات خاصہ میں سے ہے، اور جس کے بعد فضیلت کا کوئی درجہ باقی نہیں رہجاتا، پس اس جگہ شدت کے ذکر سے محض اس صفت تواضع و رحمت کی تصحیح مقصود ہے، جس کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے، کیونکہ خدا کی خشیت تمام خوفوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ۔ (آل عمران ۱۷۵) پس ان سے مت ڈرو صرف مجھ سے ڈرو۔

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (مائدہ ۳) پس ان سے مت ڈرو صرف مجھ سے ڈرو۔

اس مضمون کی آیتیں بہت ہیں۔

۲۔ دوسرے بازو یعنی بہیمیت کے توڑنے کی تدبیر یہ ہے کہ نفس اس دنیا کی جن مرغوبات میں لذت پاتا ہے، ان سے اس کو علیحدہ کیا جائے۔ اس کے تین درجے ہیں:-

پہلا یہ ہے کہ خدا کی راہ میں جان قربان کی جائے، اس کا بلند ترین مقام لخت جگر کی قربانی ہے، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اکلوتے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی سے جانچا گیا، جو ان کی محبوب ترین اولاد تھے چنانچہ جب فرشتہ نے ان کو حضرت اسحاق کی ولادت کی خوشخبری دی، انھوں نے کہا اسمٰعیل زندہ رہے، جس سے حضرت اسمٰعیل کے ساتھ ان کی بے اندازہ محبت کا جوش ظاہر ہوتا ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ طاعت الٰہی کی راہ میں مصائب و آلام جھیلے جائیں، اور لذات سے کنارہ کشی اختیار کی جائے، کیونکہ زندگی کے بعد نفس کو سب سے زیادہ محبوب لذات ہی ہیں۔ روزہ اس منزل میں بہترین رہبر ہے۔ مقام قربانی کے مدارج میں سے ضعفاء طریق کی پہنچ اسی درجہ تک ہے۔ اسی لیے جب حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ سب سے بلند درجہ کے حصول کی راہ کیا ہے تو انہوں نے فرمایا یہ روزہ اور نماز سے حاصل ہوتا ہے۔

تیسرا درجہ بذل مال کا ہے، جو تمام لذات کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس منزل میں رہبر زکوٰۃ ہے متعینہ زکوٰۃ سے زیادہ خرچ کرنے میں ایک پہلو، سبب کبر کے ابطال کا بھی ہے۔ چونکہ مقصود قربانیت سے نفس کو ان چیزوں کی غلامی سے چھڑانا ہے جن کی لذتیں اس پر گھیرے ڈالتی ہیں اس لیے ضروری ہوا کہ خدا کی راہ میں وہ چیز خرچ کی جائے جو نفس کو محبوب ہو۔ اسی لیے فرمایا ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ تم اس وقت تک نیکی کا درجہ نہیں حاصل کر سکتے جب تک ان چیزوں میں سے نہ خرچ کرو، جو تمہیں محبوب ہیں۔ (آل عمران - ۹۲)

یہ جو قربانی کے جانوروں کو فربہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس میں بھی یہی حکمت مرعی ہے حضرت ابراہیمؑ کو محبوب ترین اولاد کے ذبح کا حکم دے کر یہ حقیقت بالکل آشکارا کر دی گئی چونکہ قربانی کا حقیقی مرتبہ کمال جان کی قربانی تھا، اس لیے خون بہانا اس کی علامت قرار پایا اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نماز اور قربانی اپنی حقیقت کے اعتبار سے ذبح نفس کے دو پہلو ہیں، ایک حدیث میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

قربان هذه الامة بدمائها وصلوتها — اس امت کی قربانی بذل نفس اور نماز کے ذریعہ

(باقی)